قانون میں قرائن کی حجّیت

مولانا مبشر احمد جامعہ مدنیہ لاہور

قرائن کے لغوی معنی قرائن جمع ہے قَرِيْنَةٌ کی بروزن فَعِيْلَةٌ : بمعنی متصل ہونا: يُقَالُ قَرَنْتُ الشَّيْئَ بِالشَّيْئِ وَصَلْتُهُ بِهِ : میں نے ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملایا وَهِيَ الْاَمْرُ الدَّالُ عَلَى الشَّيْئِ مِنْ غَيْرِ اِسْتِعْمَالٍ فِيْهِ بَلْ بِمُجَرَّدِ الْمُقَارَنَةِ وَالْمُصَاحَبَةِ : قرینہ وہ امر ہے جو کسی چیز پر دلالت کرے جس میں وہ استعمال نہ ہو۔ بلکہ محض اس کا اس کے ساتھ اتصال اور مصاحبت و مقارنت ہو[۱]

قرائن کی اصطلاحی تعریف عَرَّفَ الْفُقَهَاءُ اَلْقَرِيْنَةُ بِمَعْنَى الْاَمَارَةِ وَهِيَ مَا يَلْزَمُ مِنَ الْعِلْمِ بِهِ الظَّنُّ بِوُجُوْدِ الْمَدْلُوْلِ : فقہاء نے قرینہ کی تعریف کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ قرینہ بمعنی امارۃ وعلامۃ ہے جس کے علم سے وجودِ مدلول کا ظنی علم حاصل ہوتا ہے جیسے بادل کو دیکھ کر بارش کا علم حاصل ہوتا ہے دھوئیں کو دیکھ کر آگ کا علم حاصل ہوتا ہے یعنی بادل اور دھواں وُجودِ مطر اور وجودِ نار پر دال ہوتے ہیں۔

لیکن فقہاء کی یہ تعریف تعریف بالمرادف ہے نہ کہ تعریف کاملہ : تو معلوم ہوا کہ قرائن وہ (علامات) امارات معلومہ ہیں جو امور مجہولہ پر دلالت کریں۔

استاذ مصطفیٰ الزرقاء قرینہ کی تعریف کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :

---

[۱] وسائل الاثبات ص ۴۸۸ ۔

اَلْقَرِیْنَۃُ کُلُّ اَمَارَۃٍ ظَاھِرَۃٍ تُقَارِنُ شَیْئًا خَفِیًّا فَتَدُلُّ عَلَیْہِ ۔

قرینہ ہر وہ ظاہری علامت ہے جو کسی خفیہ چیز سے ملی ہو اور اس پر دلالت کرے [1]

علامہ سید فتح اللہ زید رحمۃ اللہ علیہ قرینہ کی تعریف کرتے ہیں :

ھِیَ الْاَمَارَۃُ الَّتِیْ نَصَّ عَلَیْہِ الشَّارِعُ اَوِ اسْتَنْبَطَھَا اَئِمَّۃُ الشَّرِیْعَۃِ بِاِجْتِھَادِھِمْ الخ

قرینہ اس علامت کو کہتے ہیں جس کو شارع علیہ السلام نے بیان کیا ہو یا ائمہ شریعت نے اجتہاد و استنباط کیا ہو [2]

علامہ جرجانی نے کہا ہے :

اَلْقَرِیْنَۃُ فِی الْاِصْطِلَاحِ اَمْرٌ یُشِیْرُ اِلَی الْمَطْلُوْبِ ۔

یعنی قرینہ اصطلاح میں اس امر کو کہتے ہیں جو مطلوب و مقصود کی طرف اشارہ کرے [3]

ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الزحیلی فرماتے ہیں : ہمارے نزدیک سب سے مختار تعریف استاذ مصطفیٰ الزرقا کی ہے [4]

شرائط قرینہ

(۱)۔ اَنْ یُوْجَدَ اَمْرٌ ظَاھِرٌ وَمَعْرُوْفٌ وَثَابِتٌ:

یعنی جس قرینہ کو ہم استدلال کی بنیاد بنا رہے ہیں وہ معروف ہو اور ثابت اور ظاہر ہو ۔

---

[1] وسائل الاثبات ص ۴۸۹ ۔

[2] حجیت القرآئن ص ۸

[3] التعریفات للجرجانی ص ۱۱۷

[4] وسائل الاثبات ص ۴۸۹

کالغیم للمطر : جیسے بادل بارش کے لیے معروف اور ظاہر قرینہ ہے۔

۲ - ان توجد الصلة بین الامر الظاہر الثابت والقرینة التی اخذت منہ فی عملیة الاستنباط والاستنتاج۔

یعنی اس امر ظاہری اور قرینہ کے مابین اتصال حالی یا قالی موجود ہو اتصال لفظی ومعنوی پایا جائے قرینہ سے مراد وہ قرینہ ہے جس سے ہم استنباط واستنتاج کر رہے ہیں (یعنی نتیجہ نکال رہے ہیں)

وَلٰکِنْ یشترط اَنْ تکُوْنَ اَلعَلاَقَۃُ قوِیۃ بَیْنَھُمَا۔

اور یہ بھی شرط ہے کہ وہ تعلق قوی ومضبوط ہو محض وہم وخیال وعلاقہ ضعیفہ نہ ہو ورنہ اس کو استدلال کی بنیاد نہیں بنایا جاسکے گا[1]

اس بنا پر قرائن کی دو قسمیں بن جاتی ہیں :

۱ - قرائن قویہ ۲ - قرائن ضعیفہ

کیونکہ قرائن کی دلالت مدلولات پر قوۃ وضعف کے اعتبار سے متفاوت ہوتی رہتی ہے بعض اوقات قوت میں درجہ قطعیہ کو پہنچ جاتی ہے۔ اور قرینہ قاطعہ ہو جاتا ہے اور کبھی اتنی کمزور ہوتی ہے کہ محض احتمال کے حد تک رہ جاتی ہے تو قرینہ ضعیفہ بن جاتا ہے[2]

قضا میں قرائن ضعیفہ سے اثبات کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ بلکہ اس قرینہ قویہ کا اعتبار ہوتا ہے جو مفید ظنِ قوی ہو اور راجح ہو زیادہ تر قرائن ان امور باطنہ میں مؤثر ہوتے ہیں جن پر اطلاع پانا متعذر ہوتا ہے لہذا دلائل کو ان کے قائم مقام سمجھا جاتا ہے اور انہیں دلائل و قرائن پر احکام کا وجود وعدم مربوط ہوتا ہے جیسے آلۂ قتل کا استعمال دلیل ہے قصدِ قتل پر۔

دوسری مثال مثالُ متاعِ البیت ہے۔ اس مثال کی وضاحت یوں ہے کہ زوجین نے

---

[1] وسائل الاثبات ص ۴۹۰

[2] المدخل الفقہی العام ج ۲ ص ۷۷۵ وسائل ج ۱ ص ۴۹۰

گھر کے سامان میں اختلاف کیا اور ہر ایک نے دعویٰ کیا کہ یہ سامان میرا ہے لیکن گواہ نہ پیش کر سکے اب اس تنازع و اختلاف کا فیصلہ قرائن کے مطابق ہوگا۔ کہ وہ سامان جو مردوں کے لیے مستعمل ہوتا ہے مثلاً پگڑی اور کتابیں اور تلوار وہ مردوں کو دیا جائے گا۔ اور وہ سامان جو عورتوں کے لیے استعمال ہوتا ہے وہ عورتوں کو دیا جائے گا مثلاً زیورات زنانہ لباس و کپڑے وغیرہ۔

کیونکہ قرینہ اور عرف عام اس پر دال ہے کہ مردوں کو مردانہ چیزیں ملنی چاہئیں اور عورتوں کو زنانہ اشیاء۔ یہاں قبضے کا اعتبار نہ ہوگا۔ یہی قول احناف و مالکیہ وغیرہ کا ہے لہ

سوال وہ سامان جو مردوں اور عورتوں دونوں کے مناسب ہوتا ہے اور دونوں کے استعمال میں آتا ہے اس کے متعلق کیا فیصلہ کیا جائے گا۔ جیسے برتن اور زمین اور صندوقیں و چارپائیاں وغیرہ۔

جواب احناف و مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ ایسے سامان کے بارے میں مردوں کے حق میں فیصلہ ہوگا کیونکہ عرف عام میں بیت۔ بیت الرّجل یعنی مرد کا گھر ہی کہلاتا ہے اور عورت تو خاوند کے ماتحت ہوتی ہے اور قبضہ قرینہ و دلیل ظاہریہ ہے مالک کے لیے۔ لیکن حنابلہ اور دیگر ائمہ فرماتے ہیں کہ ایسی اشیاء کو دونوں میں مشترکہ تقسیم کیا جا دے گا کیونکہ قبضہ دونوں کا ہوتا ہے۔

راجح قول اس مسئلے میں احناف کے قول کو راجح قرار دیا گیا ہے کیونکہ اس میں تین قرینے جمع ہو گئے ہیں۔ (۱) قبضہ۔ (۲) صلاحیت۔ (۳) عرف عام و عادت الناس۔ یعنی لوگوں کا رواج۔

شوافع کا مذہب اس مسئلے میں شوافع اور امامیہ اور ظاہریہ کا قول یہ ہے کہ گھر کے جملہ متاع کو نصف نصف تقسیم کیا جا دے گا کیونکہ قبضہ سب سے بڑا قرینہ ہوتا ہے ملکیت کے لیے۔

لہ احکام الشرعیہ ص : ۳۰۹ وسائل الاثبات ص : ۴۹۱۔

نسبت کے اعتبار سے قرینہ کی تقسیم

نسبت کے اعتبار سے قرائن کی دو قسمیں ہیں: (۱) قرینہ عقلیہ۔ (۲) قرینہ عرفیہ۔
کیونکہ قرینہ اور مدلولات کے درمیان نسبت کبھی عقلی ہوتی ہے اور کبھی عرفی۔

قرینہ عقلیہ کی تعریف

فالقرآئن العقلیۃ ھی التی تکون النسبۃ بَیْنَھَا وَبَیْنَ مدلولاتھا ثابتۃ یَسْتَنْتِجُھَا العقل دائما کوجود المسروقات عند المتّھم بالسَّرِقَۃِ ووجود الجراح فی جِسْمِ المیت دلالۃً علیٰ قَتْلِہٖ بآلۃ حادۃٍ

ترجمہ: قرآئن عقلیہ وہ ہوتے ہیں جن کا تعلق مدلولات کے مابین ثابت ہو اور عقل ان سے نتیجہ نکالے۔ جیسے ایک شخص پر چوری کی تہمت لگی اور اس کے بعد مسروقہ چیز اس سے برآمد ہوگئی۔ اور میت کے جسم پر زخم دلالت کرتے ہیں کہ اس کو کسی دھار دار آلہ سے قتل کیا گیا ہے۔

قرینہ عرفیہ کی تعریف

والقرائنُ العرفیۃ ھی التی تکون النسبۃ بینھا وبین مدلولاتھا قائمۃ علی عرف اوعادۃ الخ

ترجمہ: قرائن عرفیہ وہ ہوتے ہیں جن کا تعلق مدلولات کے ساتھ عرف عام یا عادت اور رسم و رواج کی بنا پر قائم ہو۔

یعنی لوگوں کا رواج اور عادت کی تبدیلی سے اس کی دلالت بھی بدل جائے مثلاً ایک شخص قسم کھاتا ہے کہ گوشت نہیں کھاؤں گا اب اگر وہ مچھلی کھا لیتا ہے تو حانث نہ ہوگا کیونکہ عرف عام اور لوگوں کی عادت میں مچھلی پر گوشت کا اطلاق نہیں ہوتا۔ کبھی یہ نہیں کہا جاتا کہ میں نے مچھلی کا گوشت کھایا بلکہ

کہا جاتا ہے میں نے مچھلی کھائی یا مچھلی پکائی ۔ اسی طرح کوئی شخص کوئی سامان خریدتا ہے بغیر قیمت مقرر کرنے کے تو اس سے مراد وہ ریٹ ہوتا ہے جو بازار میں مستعمل ہے اور چل رہا ہے اسی طرح کوئی مسلمان عید الاضحیٰ کے روز یا اس سے ایک دو روز قبل بکری خرید کرتا ہے تو یہ اس بات پر قرینہ ہے کہ وہ قربانی کے لیے خرید رہا ہے[1]

مصادر و مأخذ کے اعتبار سے قرائن کی تقسیم

مصادر اور مأخذ کے اعتبار سے قرائن کی تین قسمیں ہیں :

(۱) ۔ قرائنِ نصّیّہ ۔ (۲) ۔ قرائنِ فقہیہ ۔ (۳) ۔ قرائنِ قضائیہ ۔

قرائنِ نصّیّہ وہ ہیں جن پر کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ سے کوئی نص وارد ہوئی ہو اور شارع نے اسے کسی معین چیز پر علامت بنایا ہو ۔ جیسے قصّہ یوسف علیہ السّلام میں خون کو قتل پر قرینہ بنایا گیا ہے ۔

وَجَاۤءُوْا عَلٰی قَمِیْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ (سورۃ یوسف آیت ۱۸)

یعنی اس کی قمیص پر جھوٹا خون لگا کر لائے ۔

۲ ۔ کپڑے کا پھٹنا مباشرت وصحبت پر قرینہ بنایا گیا ہے ۔

اِنْ كَانَ قَمِیْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ وَاِنْ كَانَ قَمِیْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۔ (سورۃ یوسف آیت ۲۶-۲۷)

اگر قمیص آگے سے پھٹی ہوئی ہے تو زلیخا سچی اور یوسف جھوٹا ہے اور اگر قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی ہے تو یوسف سچا اور زلیخا جھوٹی ہے ۔

۳ ۔ وہ علامات جن کو اللہ تعالیٰ نے راستہ معلوم کرنے کا ذریعہ قرار دیا ہے ۔

وَبِالنَّجْمِ هُمْ یَهْتَدُوْنَ ۔ (سورۃ النحل آیت ۱۶)

یعنی ستاروں کے ساتھ وہ راستہ معلوم کرتے ہیں ۔

۴ ۔ کنواری لڑکی سے اِجَازتِ نکاح لینے وقت اس کے خاموش رہنے کو رضا کی علامت بنایا گیا ہے ۔

۵ ۔ عورت کا خاوند کے بستر پر سونا کو علامت بنایا گیا ہے بچے کی خاوند کی طرف نسبت کی ۔ وہ بچہ اسکا بیٹا تصور ہوگا اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ ۔

۶ ۔ وہ اعمال جن کو مؤمن اور منافق اور کافر کے درمیان فرق وتمیز کی علامات قرار دیا گیا ہے ۔ یہ سب قرائن نصّیّہ کہتے ہیں ۔

دوسری قسم قرائنِ فقہیہ قرائنِ فقہیہ وہ ہیں جنہیں فقہا رکرام نے مستنبط کیا ہو اور انہیں دوسرے امور پر دلائل بنایا ہو ۔ اور قاضی ان قرائن کی بنیاد پر فیصلے کرے ۔

تیسری قسم قرائنِ قضائیہ قرائنِ قضائیہ وہ ہیں جنہیں قاضیوں نے وضع کیا ہو کیونکہ بعض قاضی و جج ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں احکام شرعیہ میں ملکہ تامہ حاصل ہوتا ہے وہ اپنی فطانت و ذہانت اور فراست سے ایسی علامات کا استخراج کر لیتے ہیں کہ جن پر دعاوی میں استدلال کیا جا سکتا ہے لیکن یہ اس وقت قبول ہوں گے جبکہ وہ قرائن قواعد شرعیہ وضوابط فقہیہ کے مطابق ہوں[1]

ایک واقعہ قاضی ایاس کا ایک واقعہ کتب ادب میں مذکور ہے کہ دو شخص ایک کمبل کا جھگڑا لے کر قاضی ایاس کے پاس آئے ایک نے کہا کہ میں نے نہر کے کنارے اپنا کمبل اتار کر رکھا اور نہانے لگا یہ شخص آیا اس نے بھی اپنا کمبل اتار کر میرے کمبل کے پاس رکھ دیا اور نہانے لگا ۔ اور یہ جلدی جلدی نہا کر نہر سے نکلا اور میرا کمبل اٹھا کر جانے لگا میں نے اس کو پکڑ لیا ہے اب یہ کہتا ہے کہ یہ میرا کمبل ہے قاضی نے پوچھا تیرے کمبل کا کیا رنگ تھا اس نے کہا میرے کمبل کا رنگ سرخ ہے اور اس کے کمبل کا رنگ سیاہ ہے ۔ قاضی ایاس نے کنگھا منگوایا اور دونوں کے سروں پر پھیرا جس کے سر سے سُرخ بال نکلا اس کو سُرخ

---

[1] وسائل الاثبات ص ۴۹۵ ۔

کمبل دے دیا اور جس کے سر سے سیاہ بال نکلا اس کو سیاہ کمبل دے دیا۔ اس قسم کے ذہین وفطین قاضی بھی ہوتے ہیں جو اپنی ذکاوت سے ایسے قرائن تلاش کر لیتے، حق فیصلے تک پہنچ جاتے اور صحیح وغلط میں تمیز کر لیتے ہیں[1]

قرائن کی حجیت قضار وفیصلے کے لیے سب سے اہم ثبوت تو شہادت اور اقرار اور قسم اور تحریر ہے لیکن جب ان دلائل میں سے کوئی نہ ہو تو پھر دوسرے وسائل کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ ان وسائل کا نام قرائن اور قیافہ ہے ان وسائل کو اصل ثبوت یعنی شہادت واقرار وغیرہ کے قائم مقام سمجھ کر دعووں میں مدد لی جاتی ہے اور فیصلے کیے جاتے ہیں۔ اسی بنا پر فقہار کرام کا قرائن کی مشروعیت میں اختلاف واقع ہوا ہے۔

قول اوّل جَوَازُ الْقَضَاءِ بِالْقَرَائِنِ یعنی قرائن کے ساتھ قضا وفیصلہ کرنا جائز ہے یہ قول حنابلہ میں سے ابن تیمیہ وابن القیم کا ہے اور احناف میں سے بدرالدین اور ابن العرس۔ اور زیلعی۔ اور ابن عابدین کا ہے اور مالکیہ میں سے ابن فرحون۔ اور عبدالمنعم بن الفرس کا ہے[2]

قول ثانی مَنْعُ الْقَضَاءِ بِالْقَرَائِنِ۔ قرائن کے ساتھ قضار وفیصلہ منع اور ناجائز ہے۔ یہ قول خیر الرملی اور ابن نجیم اور صاحب تکملہ رد المحتار کا ہے[3]

مُجَوِّزِین کے دلائل قرائن کے ساتھ قضا اور فیصلے کی مشروعیت اور حجیت پر کتاب اللہ وسنت رسول اللہ دونوں سے ثبوت موجود ہیں۔

دلیل اوّل وَجَاءُوا عَلَىٰ قَمِيصِهِ بِدَمٍ كَذِبٍ۔ (سورۃ یوسف ۱۸)
ترجمہ: اور ان کے قمیص پر جھوٹ موٹ کا خون لگا لائے۔

---

[1] نفحۃ العرب ص ۲۴۰

[2] تبصرۃ الحکام ج ۱ ص ۲۰۲ الطرق الحکمیہ ص ۹۷، معین الحکام ص ۱۶۱ وسائل الاثبات ص ۵۰۱۔

[3] تکملہ رد المحتار ج ۷، ص ۳۴۷ البحر الرائق ج ۷، ص ۲۰۵۔

وجہ دلالت یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے قمیص پر خون کو اپنی سچائی کی دلیل بنایا اور کہا کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا ۔ کپڑے کا خون میں لت پت ہونا قرینہ ہے قتل کا ۔

۲ ۔ اسی بات سے یعقوب علیہ السلام نے ان کے کاذب ہونے کی دلیل پکڑی اور کہا کہ اگر یوسف علیہ السلام کو بھیڑیا کھا جاتا تو قمیص بھی پھٹ جاتی ۔ اور فرمایا : كَانَ الذِّئْبُ حَلِيمًا يَأْكُلُ يُوسُفَ وَلَا يَخْرِقُ قَمِيصَهُ ۔ بھیڑیا کتنا بردبار اور مہربان تھا کہ یوسف کو تو کھا گیا مگر قمیص کو خراش تک بھی نہ دی ۔

بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنفُسُكُمْ أَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ۔ (سورة یوسف ایت ۱۸)

ترجمہ : بلکہ تم نے اپنے دل سے ایک بات بنالی ہے سو صبر ہی اچھا ہے اور تم جو کچھ بیان کر رہے ہو اس پر اللہ ہی مدد کرے ۔

تو یعقوب علیہ السلام نے قمیص کے صحیح و سالم ہونے کو قرینہ بنایا اخوان یوسف کے کاذب ہونے پر ڈاکٹر المصطفیٰ الزحیلی فرماتے ہیں :

فَالْآيَةُ دَلِيلٌ عَلَىٰ مَشْرُوعِيَّةِ الْقَرَائِنِ وَجَوَازِ الْاعْتِمَادِ فِي الْقَضَاءِ ۔

ترجمہ : یہ آیت قرائن کی مشروعیت پر دلیل ہے اور قضا میں ان پر اعتماد کرنا جائز ہے [1]

وقال القرطبی استدل العلماء بھذہ الآیة فی اعمال الامارات فی مسائل الفقه الخ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علماء نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ مسائل فقہیہ میں علامات (قرائن) کا عمل و دخل ہوتا ہے لہذا قاضی اور جج پر لازم ہوتا ہے کہ امارات و علامات (قرائن) میں سے جو زیادہ راجح قرینہ ہو اس کے مطابق فیصلہ کرے ۔ جیسا کہ

---

[1] وسائل الاثبات ص ۵۰۲ ۔

یعقوب علیہ السلام نے قصۂ یوسف میں دو قرینوں (یعنی قمیص کا خون سے آلودہ ہونا اور قمیص کا صحیح سالم ہونا) میں سے دوسرے قرینے کو راجح قرار دیتے ہوئے اخوان یوسف کے کاذب ہونے کا فیصلہ دیا [1]

دلیل ثانی وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا إِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ۔ وَإِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ فَلَمَّا رَأَى قَمِيصَهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ إِنَّهُ مِنْ كَيْدِكُنَّ إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ [2]

ترجمہ: اور اس (عورت) کے خاندان سے ایک گواہ نے گواہی دی کہ ان کا پیراہن اگر آگے سے پھٹا ہو تو وہ سچی ہے اور یہ جھوٹے۔ اور اگر ان کا پیراہن پیچھے سے پھٹا ہو تو وہ جھوٹی اور یہ (حضرت یوسف) سچے۔ سو جب اس (عزیز مصر) نے انکا پیراہن پیچھے سے پھٹا ہوا دیکھا تو بول اٹھا بے شک یہ تم عورتوں کا چرتر ہے۔ بے شک تم عورتوں کا چرتر غضب کا ہوتا ہے۔

وجہ دلالت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کپڑے کے پھٹنے کو دلیل اور قرینہ بنایا ہے ان دونوں میں سے ایک کے صدق پر۔ اور کپڑے کے پھٹنے کو علامت وسبب بنایا گیا ہے قضا وحکم کے لیے۔ وَهٰذَا دَلِيلٌ عَلٰى مَشْرُوعِيَّةِ الْقَرَائِنِ۔ یہ قرائن کی مشروعیت وحجیت پر دلیل ہے اگر قرائن حجت نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ قمیص کے پھٹنے کو دونوں کے صدق وکذب پر دلیل نہ بناتا [3]

ایک سوال اس پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو تم نے دو دلیلیں پیش کی ہیں وہ تو سابقہ شریعتوں کی باتیں ہیں وہ ہمارے لیئے کیسے حجت ہو سکتی ہیں؟

[1] تفسیر قرطبی ج ۹ ص ۳۱۶۳

[2] سورۃ یوسف آیت ۲۶ - ۲۷ -

[3] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۷۰ تفسیر الطبری ج ۱۳ ص ۱۹۵

جواب علماء اصول نے سابقہ شرائع کی باتوں کو ہمارے لیے بھی قابل حجت بتایا ہے اور فرمایا ہے کہ جب وہ ہماری شریعت کے اصول و قواعد کے مناسب اور مطابق ہوں تو ہمارے لیے بھی قابل تقلید ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ الخ

ترجمہ : اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے وہی دین مقرر کیا جس کا اس نے (حضرت) نوحؑ کو دیا تھا اور جس کو ہم نے آپ کے پاس وحی کیا ہے ۔

نیز ان باتوں کو قرآن مجید میں ذکر کرنا ہماری راہنمائی کے لیے ہے مکمل قرآن مجید ہمارے لیے مشعل راہ ہے اس لیے ہم ان باتوں سے اپنے قواعد وضوابط وضع کر سکتے ہیں [1]

دلیل ثالث وَعَلَامَاتٍ ۚ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ [2]

ترجمہ : اور (اللہ نے بنائیں) علامتیں اور ستاروں سے بھی (لوگ) راہ پاتے رہتے ہیں۔

وجہ دلالت : اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مادی چیزوں کو لوگوں کی ہدایت و راہنمائی کا ذریعہ قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ ان علامات کو دیکھ کر بھی تم ہدایت و راہ حق پا سکتے ہو یا ان چیزوں کو دیکھ کر تم اپنا دنیاوی راستہ متعین کر سکتے ہو ۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے علامات سے مراد پہاڑ، نہریں ۔ ہوائیں وغیرہ مراد ہیں اور نجوم ستاروں کو کہتے ہیں ۔ اس طرح کی بہت سی آیات قرآن مجید میں ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ قرائن یعنی علامات اور امارات ہمارے دعووں اور فیصلوں میں ممد و معاون ہو سکتے ہیں اور حجت بن سکتے ہیں [3]

---

[1] کتاب الاحکام للآمدی ج ۳ ص ۱۹۰

[2] سورۃ النحل آیت ۱۶

[3] وسائل الاثبات ص ۵۰۳

قرائن کی حجّیت پر احادیث سے دلائل

دلیل اوّل عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ انّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لَا تُنْکَحُ الْاَیِّمُ حَتّٰی تُسْتَامَرَ وَلَا تُنْکَحُ الْبِکْرُ حَتّٰی تُسْتَاْذَنَ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللہِ فَکَیْفَ اِذْنُھَا قَالَ اَنْ تَسْکُتَ وفی روایۃ عند مسلم والنسائی عن ابن عباس اَلْاَیِّمُ اَحَقُّ بِنَفْسِھَا مِنْ وَلِیِّھَا وَالْبِکْرُ تُسْتَاْذَنُ وَاِذْنُھَا صُمَاتُھَا [1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَیِّم (یعنی بیوہ بالغہ) کا نکاح نہ کیا جائے جب تک کہ اس کا حکم حاصل نہ کر لیا جاوے اسی طرح باکرہ (یعنی کنواری بالغہ) عورت کا نکاح نہ کیا جاوے جب تک کہ اس کی اجازت حاصل نہ کرلی جاوے یہ سُن کر صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس کنواری کی اجازت کیسے ہوگی تو آپ نے فرمایا اس کا خاموش رہنا بھی اجازت ہے۔

اور مسلم و نسائی کی روایت میں ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیوہ بالغہ عورت اپنے نکاح کے معاملے میں اپنے ولی سے زیادہ حقدار ہے اور کنواری لڑکی بھی اس کی حقدار ہے کہ اس کے نکاح کی اس سے اجازت حاصل کی جاوے۔ اور اس کی اجازت خاموش رہنا ہے۔

وجہ دلالت وجہ دلالت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنواری لڑکی کے خاموش رہنے کو علامت بنایا اس کی رضا پر:

---

[1] بخاری ج ۲ ص ۱۶۳ مسلم ج ۱ ص ۲۰۹ ترمذی ج ۲ ص ۲۴۰۔

وَالصُّمات اَوِ السکوتُ قَرِیْنَۃٌ ولذالک یجُوْزُ الاعتماد عَلَی الْقَرَائِن ۔

ترجمہ "اور خاموشی قرینہ ہے اسی بنا پر قرائن پر اعتماد کرنا جائز ہے"۔
ابن فرحون فرماتے ہیں کہ یہ حدیث قرائن کی حجیّت پر اقویٰ دلیل ہے۔

دلیل دوئم عن ابی موسیٰ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَجُلَیْنِ اِخْتَصَمَا فِی دَابَّۃٍ ولیس لِوَاحِدٍ مِنْهُمَا بَیِّنَۃٌ فَقَضٰی بِهَا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بَیْنَهُمَا نِصْفَیْنِ [1]

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دو شخص ایک جانور کا جھگڑا لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کسی کے پاس گواہ نہ تھے تو آپ نے ان دونوں کے درمیاں آدھا آدھا جانور تقسیم فرما دیا۔

وجہ دلالت وجہ دلالت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے درمیان نصف نصف کا فیصلہ صادر فرمایا ان کے قبضے کی بنا پر:

وَالْیَدُ قَرِیْنَۃٌ وَعَلَامَۃٌ عَلَی الْمِلْکِ وَھٰذَا یَدُلُّ عَلٰی مَشْرُوْعِیَّۃِ الْقَرِیْنَۃِ [2]

ترجمہ: قبضہ ملک کی علامت و قرینہ ہوتا ہے اور یہ قرائن کی مشروعیت کی دلیل ہے۔

دلیل سوم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا رَأَیْتُمُ الشَّابَّ یَرْتَادُ الْمَسَاجِدَ فَاشْهَدُوْا لَہ بالایمان [3]

ترجمہ: ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم کسی نوجوان کو مسجد میں

---

[1] ابوداؤد ج ۲ ص ۲۷۸ سنن نسائی ص ۲۱۸ ۔

[2] ایضاً: وسائل الاثبات ص ۵۰۸ ۔

[3] تحفۃ الاحوذی ج ۴ ص ۳۶۶ ۔

آتا جاتا دیکھو تو تم اس کے ایمان کی گواہی دو ۔

وجہ دلالت مساجد میں آنے جانے کو ایمان کی علامت قرار دیا گیا ہے ۔

دلیل چہارم اٰیَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثَةٌ اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَ اِذَا ائتمن خَانَ وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ لے

ترجمہ: منافق کی تین علامتیں ہیں جب بولے جھوٹ بولے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جاوے تو خیانت کرے اور جب وہ وعدہ کرے تو دھوکہ کرے ۔

وجہ دلالت اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق کی پہچان ان تین باتوں کو قرار دیا جو حدیث میں مذکور ہیں اور یہی علامات ہی قرینہ کہلاتی ہیں جنکی بنا پر ہم مومن اور منافق میں تمیز کر سکیں گے ۔

وهناك إمثلة كثيرة جدًا تدل على مشروعية القرائن فهذه الاحاديث الصحيحة كافية في الاستدلال على مشروعية الاثبات بالقرائن وانها حجة في القضاء ؏

ترجمہ: ڈاکٹر المصطفیٰ زحیلی فرماتے ہیں: قرائن کی مشروعیت پر دلائل بہت ہیں ۔ پس یہی صحیح احادیث قرائن کے اثبات حق کی مشروعیت پر کافی اور وافی اور شافی ہیں ۔

مانعین کے دلائل جو ائمہ قرائن کو حجت نہیں مانتے وہ اپنے قول کی تائید میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں:

عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لے مسلم ج ۱ ص ۲۷ نسائی ص ۱۰۲

؏ وسائل الاثبات ص ۵۰۹ ۔

لَوْ كُنْتُ رَاجِمًا اَحَدًا بِغَيْرِ بَيِّنَةٍ لَرَجَمْتُ فُلَانَةً الخ

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر میں کسی کو بغیر گواہوں کے سنگسار کرتا تو فلانی عورت کو سنگسار کرتا مگر چونکہ اس کی گفتگو اور حالت اور اس پر داخل ہونے والوں کے بارے میں شک پیدا ہو چکا ہے اس لیے میں اس پر حد جاری نہیں کرتا لہ

وجہ دلالت دیکھو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت پر حد جاری نہیں فرمائی باوجودیکہ وقوع زنا کی علامات موجود تھیں۔ تو اگر قرائن اور علامات حجت ہوتیں تو آپ ضرور بالضرور اس عورت پر حد رجم جاری فرماتے۔

جواب نمبر ۱ اس استدلال کا جواب دیتے ہوئے جواز کے قائلین نے کہا ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے اس عورت پر اس لیے حد جاری نہ فرمائی کہ اس کا جرم قرائن قطعیہ سے ثابت نہ ہوا تھا اور قرائن میں شبہ پیدا ہو گیا تھا والحدود تندرأ بالشبہات۔ اور حدود شبہات سے ساقط ہو جاتی ہیں۔

جواب نمبر ۲ فتح الباری میں اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہوا ہے کہ یہ واقعہ لعان کا ہے نہ کہ زنا کاری کا۔ اور لعان کی صورت میں حد جاری نہیں ہوتی ٹہ

الزامی جواب نمبر ۳ خود اسی حدیث میں صراحت ہے لَوْ كُنْتُ رَاجِمًا اَحَدًا بِغَيْرِ بَيِّنَةٍ۔ کہ میں کسی پر بغیر بَیِّنَۃ اور ثبوت کے حد جاری نہیں کرتا۔ وَالْقَرَائِنُ بَيِّنَةٌ اور قرائن تو بیّنہ ہوتے ہیں یعنی قرائن تو تو اقوی ثبوت ہوتے ہیں یہاں چونکہ قرائن موجود ہی نہیں ہیں تو حد جاری کیسے کی جاتی معلوم ہوا یہی حدیث تمہارے خلاف حجت ہے یہ حدیث ہمارے قول کی تائید کرتی ہے نہ

لہ ابن ماجہ ج ۲ ص ۸۵۵ نیل الاوطار ۷ ص ۱۰۹

ٹہ۔ فتح الباری ج ۱۲ ص ۲۸

کہ تمہارے قول کی۔

جواب نمبر۴ چونکہ اس واقعہ میں قرائن ضعیف تھے اور قرائن ضعیفہ سے حد کا حکم ثابت نہیں ہوتا اس لیے حد جاری نہ کی گئی لے

دلیل دوم قرائن کی بنیاد ظن وتخمین پر ہوتی ہے اور ظن دلیل نہیں بن سکتا۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَاِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا [۲]

ترجمہ: اور بیشک گمان حق بات میں مفید نہیں ہوتا۔

اور ارشاد نبوی ہے:

اِیَّاکُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَکْذَبُ الْحَدِیْثِ [۳]

ترجمہ: اپنے آپ کو ظن وگمان سے بچاؤ کیونکہ ظن بڑا جھوٹ ہے۔

جواب نمبر۱ ظن کی دو قسمیں ہیں:
۱۔ قوی۔ ۲۔ ضعیف۔ جس ظن سے منع کیا گیا ہے وہ ظن ضعیف ہے۔

جواب نمبر۲ ان الظن المنھی عنہ وھو الظن فی العقائد والعقیدۃ لا تثبت بالظن بالاتفاق او المراد بالظن الوارد فی وھو النھی عن سوء الظن۔

ترجمہ: جس ظن سے منع کیا گیا ہے وہ عقائد میں ہے اور عقیدہ ظنی باتوں سے ثابت نہیں ہوتا ہے جیسے کہ قرآن مجید میں ہے وَمَا لَھُمْ بِہٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ نساء آیت ۱۵۷۔ کہ ان کے پاس علم نہیں وہ صرف ظن اور گمان پر چلتے ہیں۔

نیز حدیث شریف میں جس ظن سے نہی وارد ہوئی ہے وہ برا ظن ہے یعنی

لے الاصول القضائیہ ص ۲۷۵۔

۲ے سورۃ النجم الآیہ ۲۸۔

۳ے بخاری ج ۳ ص ۹۴۲ مسلم ج ۱ ص ۱۱۸۔

کسی کے بارے میں بدگمانی نہ کرو۔

جواب نمبر ۳ عزبن عبد السلام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
اِن النھی فی الآیۃ لیس عن کل الظن وانما النھی عن بعضہ۔

ترجمہ: آیت میں ہر ظن سے منع نہیں کیا گیا بلکہ بعض ان ظنوں سے منع کیا گیا ہے۔ جن پر عقلاً و نقلاً عمل محال ہو[1]

راجح قول یبدو من عرض الادلۃ ترجیح ادلۃ القول الاول لصحتہا وقوتہا فی اثبات مشروعیۃ القرائن الخ

ترجمہ ڈاکٹر مصطفیٰ الزحیلی فرماتے ہیں ان دونوں قولوں میں سے قول اول زیادہ راجح ہے قرائن کی مشروعیت وحجیت کے بارے میں اور قرائن وسائل اثبات میں سے ایک وسیلہ شرعیہ ہے فقہ کی کوئی کتاب اس سے خالی نہیں ہے اور نہ ہی کسی فقیہہ نے اس کو بعید سمجھا ہے اور اس پر تمام فقہاء کا اجماع ہے علامہ عزبن عبد السلام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرائن صراحۃ النص کے قائم مقام ہوتے ہیں تخصیص عموم میں اور تقیید مطلق میں[2]۔

مشروعیت قرائن کی حکمت یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھئے کہ شریعت اسلامی نے جس قدر حقوق انسانی کی حفاظت کی اتنی کسی قانون میں نہیں ہے ہر اس راہ اور سوراخ کو بند کیا ہے جہاں سے ذرہ برابر بھی ظلم و تعدی کے داخل ہونے کا امکان تھا تو اب اگر ہم قرائن کے استنباط اور ان پر اعتماد کی اجازت نہ دیں تو پھر بہت سے ایسے حیلے تلاش کر لیے جائیں گے جن سے حقوق العباد کو غصب کیا جا سکے گا۔ اور ظالم کو اپنی برارت کی راہ مل جائے گی۔ یہ بالکل حقیقت ہے کہ جب مدعی

---

[1] وسائل الاثبات ص ۵۱۱ قواعد الاحکام ص ۶۶

[2] وسائل الاثبات ص ۵۱۲۔

کے پاس گواہ نہ ہوں تو مدعیٰ علیہ حلف اٹھائے لیکن بعض اوقات مدعی کو پورا وثوق ہوتا ہے کہ یہ میرا حق ہے مگر وہ گواہ قائم کرنے سے عاجز ہوتا ہے یا گواہ مدعیٰ علیہ کے صاحب اثر شخصیت ہونے کی وجہ سے مرعوب ہوکر گواہی سے انکاری ہو جاتے ہیں اور مدعیٰ علیہ کے قلب سے خوف خدا نکل چکا ہوتا ہے تو وہ جھوٹی قسم کھانے پر تیار ہو جاتا ہے تاکہ اس مال کو ہڑپ کر سکے اور قرائن و علامات سے مدعیٰ علیہ کا کذب و دروغ واضح ہو رہا ہوتا ہے تو اب قاضی و جج اسلام کے عادلانہ نظام و قانون کی موجودگی میں ظالم کو ظلم کرنے کی کیسے اجازت دے گا جبکہ وہ سمجھ چکا ہو کہ حق مدعی کا ہے مدعیٰ علیہ صریح جھوٹا ہے اب اگر قاضی ظالم کی کذب بیانی پر اس کے حق میں فیصلہ فرما دیتا ہے تو روح اسلامی نکل جائے گی اور حقوق انسانی کبھی بھی محفوظ نہیں رہیں گے ظالموں اور غاصبوں کا ہمیشہ یہ وطیرہ بن جائے گا کہ جس کا مال چاہیں گے جھوٹی قسموں سے بٹورتے رہیں گے۔

آپ اگر قضاۃ کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ اور قاضی شریح و ایاس و قاضی کعب بن سوار وغیرہ کے ایسے بہت سے فیصلے ملیں گے جو قرائن کی بنیاد پر کئے گئے ہیں ۔ یہ تو اس خیر القرون کے فیصلے ہیں جبکہ لوگوں کے اندر خوف خداوندی اور فکر آخرت پایا جاتا تھا اب جبکہ حالات بہت بدل چکے ہیں حبّ مال وحبّ جاہ انسان کی فطرت ثانیہ بن چکی ہے حرص وطمع و لالچ ہر انسان کی جبلّت بن چکی ہے لوگ حلال وحرام جائز وناجائز حق و باطل کی تمیز بالکل نہیں کرتے تو یہ کیسے باور کیا جائے گا کہ مدعی اور مدعیٰ علیہ بالکل سچے ہیں لہذا ان سے حلف لے کر قطعی فیصلہ کر دیا جاوے نہیں نہیں بلکہ ایسے حالات میں جج پر لازمی ہوگا کہ واقعے کی مکمل چھان بین کرے اور حدود متنازعہ کا بچشم خود معائنہ کرے قرائن و علامات دیکھے اور اس کے بعد بغیر جانبداری کے حکم نافذ کرے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سرخرو ہو۔

قرائن کا حکم

قرائن کا حکم مختلف ہوتا ہے ۔ جیسا قرینہ ہوگا ویسا حکم ہوگا ۔ اگر قرینہ قوی ہے اور شارع نے اس پر نص وارد کی ہے تو قاضی پر اسکے مطابق حکم کرنا واجب ہوتا ہے مثلاً جب قاضی کے پاس کسی مرد اور عورت کے درمیان عقد زواج ثابت ہو جائے لیکن خاوند بچے کی ولدیت سے انکاری ہو تو قاضی و جج اسکی

بات کو نہیں سنے گا بلکہ بچے کے ثبوت نسب کا فیصلہ کر دے گا اور اس بچے کو اس کا وارث قرار دے گا۔ کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے وَاِنَّ الْوَلَدَ لِلْفِرَاشِ وللعاھر الحجر۔ "یعنی بچہ صاحب بستر کا ہے اور زانی کے لیے پتھر ہے۔" اسی طرح اگر عورت انکاری ہے اور کہتی ہے بچہ زنا کا ہے تو اس کی بات بھی قبول نہ کی جائے گی اور نسب خاوند کا ہی ثابت رہے گا۔ کیونکہ غیر شرعی مخالطت سے حکم شرعی مرتب نہیں ہوتا بلکہ غیر شرعی مخالطت (زنا) کے مرتکب کو سزا دی جاتی ہے تو اس فیصلے میں قرینہ شرعیہ منصوصہ فراشِ صحیحہ ہے۔ اگر ہم فراش صحیحہ کو تسلیم نہ کریں تو ثبوت نسب کا دوسرا کوئی وسیلہ اور ذریعہ نہیں ہے۔ ہاں لعان کی ایک صورت باقی رہ جاتی ہے۔ اور لعان سے تو میاں بیوی کے درمیاں تفریق ہو جاتی ہے۔ "گئے تھے نماز بخشوانے اُلٹے روزے گلے پڑے" والی مثال صادق آجائے گی۔ کہ میاں بیوی کے درمیان تفریق بھی ہو جائے گی اور نفی ولد بھی ہو جائے گی لہذا وہی پہلی صورت زیادہ بہتر ہے کہ فراش صحیحہ کو قرینہ تسلیم کر کے ثبوتِ نسب کا فیصلہ کریں[1]

دوسری مثال ایک شخص کسی خالی گھر سے نکلا۔ اس کے ہاتھ میں چھری یا تلوار ہے اور وہ تلوار خون کے ساتھ لت پت ہے جب اس گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا ایک شخص قتل شدہ پڑا ہے تو اب ان قرائن کے مطابق یہی فیصلہ کیا جا دے گا کہ اس کا قاتل یہی شخص ہے اور اس سے قصاص لیا جاوے گا۔ اگرچہ وہ شخص حلف بھی اٹھا دے کہ میں قاتل نہیں ہوں تب بھی اسی کو قاتل گردانا جائے گا۔ یہ احناف کا قول ہے بعض دیگر فقہاء کہتے ہیں کہ اس صورت میں اہل محلہ پر قسامت یعنی دیت کا فیصلہ کیا جاوے گا۔

تیسری مثال شادی کی رات ایک عورت کو دکر دولہا کے بستر پر آئی اور اس عورت پر علامات دولہن بھی موجود ہیں تو یہ اس بات کا قرینہ ہو گا کہ وہ اس کی عورت (بیوی) ہے لہذا اس سے وطی جائز ہو گی۔

---

[1] وسائل الاثبات ص ۵۱۶۔

یہ تو تھیں قرائن شرعیہ و فقہیہ کی چند مثالیں :

قرائن قضائیہ کی مثالیں قرائن قضائیہ وہ ہوتے ہیں جن کو قاضی استنباط کرتا ہے اور دونوں دعویداروں میں سے جو اس کے غالب گمان میں سچا اور صحیح ہوتا ہے اس کے حق میں فیصلہ صادر کرتا ہے بعض اوقات حلف لے کر۔ اور بعض اوقات بغیر حلف کے۔ جب تک اس کے خلاف کوئی اقوی ثبوت موجود نہ ہو اس وقت تک انہیں قرائن قضائیہ کو ترجیح دی جاتے گی۔

مثال نمبر ا بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو عورتیں حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس اپنے بیٹے کا جھگڑا لے کر پیش ہوئیں انہوں نے اپنا واقعہ یوں سنایا کہ ہم دونوں نے اپنے اپنے بیٹوں کو ایک جگہ پر لٹایا اور ہم کسی کام کے لیے دور چلی گئیں تو بھیڑیا آیا اور ایک لڑکے کو اٹھا کر لے گیا۔ اب ہمارا جھگڑا ہوا ہے کہ یہ کہتی ہے تیرے بیٹے کو بھیڑیا لے گیا اور یہ میرا بیٹا ہے اور میں کہتی ہوں میرا لڑکا ہے آپ فیصلہ فرمائیے حضرت داؤد نے دونوں کی باتیں سن کر بڑی کے حق میں فیصلہ کر دیا تو پھر وہ وہاں سے حضرت سلیمان بن داؤد کے پاس فیصلہ لے گئیں اور ان کو اپنا قصہ سنایا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا چھری لاؤ میں تمہارے درمیان اس کو دو ٹکڑے کر کے تقسیم کر دیتا ہوں۔ تو چھوٹی نے کہا اے اللہ کے نبی آپ پر اللہ تعالیٰ رحم کرے آپ ایسا نہ کریں بلکہ یہ لڑکا اسی بڑی کو ہی دے دیں۔ تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے چھوٹی کے حق میں فیصلہ کر دیا۔

وجہ دلالت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ارادہ بھی دو ٹکڑے کرنے کا نہ تھا بلکہ وہ دیکھنا چاہتے تھے کہ ان دونوں میں سے کس کو بچے پر شفقت آتی ہے تو جب دیکھا کہ بڑی اس کے دو لخت کرنے پر راضی ہو گئی ہے تو اس سے انہوں نے اندازہ لگا لیا کہ اس کا دعویٰ جھوٹا ہے اور محبت بھی جھوٹی ہے اور چھوٹی کا اس کے دو ٹکڑے کرنے سے انکار اس کی دلیل ہے کہ وہ اس کی حقیقی ماں ہے اور ماں ہی ہمیشہ اپنے بچے پر اتنی مہربان ہوتی ہے تو اس کی یہ عاطفت اور محبت اس

بات کا قرینہ اور علامت ہے کہ یہ بچہ چھوٹی کا ہی ہے تو سلیمان علیہ السلام نے چھوٹی کے حق میں فیصلہ کر دیا۔

تو اس واقعہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب دیکھا کہ دونوں کے پاس گواہ نہیں ہیں تو آپ نے کسی سے حلف نہیں لیا بلکہ اپنے اجتہاد سے فیصلہ کیا۔ جس کی تائید خود اللہ تعالیٰ نے فرمائی ارشادِ خداوندی ہے:

فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا [1]

ترجمہ:

دوسری مثال دو آدمیوں نے ایک مکان میں جھگڑا کیا اور کسی کے پاس گواہ یا تحریری ثبوت نہیں ہے تو قاضی اس شخص کے حق میں فیصلہ کرے گا جس کا قبضہ ہے قبضہ باعتبار ظاہر کے ملک کا قرینہ ہوتا ہے۔

تیسری مثال حکام اور حکومت کے کارندوں کے پاس بہترین اور عمدہ محلات کا ہونا اور ان کے پاس دولت کا زیادہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے رشوت لی ہوگی یا بیت المال میں خیانت کی ہوگی تو جب تک وہ اپنی آمدنی کے ذرائع کا ثبوت پیش نہ کریں گے ان کی جملہ املاک بھی ضبط کر لی جائے گی اور ان کو معزول بھی کر دیا جاوے گا جیسے کہ سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا [2]

خلاصہ خلاصہ یہ ہوا کہ قرائن قضائیہ کا درجہ ترجیحات اولیہ کا درجہ ہوتا ہے۔ اس کے خلاف اگر کوئی اقویٰ قرینہ یا راجح دلیل مل جائے تو وہ فیصلہ باطل ہو جاتا ہے کیونکہ قرائن احتیاطی وسیلہ ہیں قاضی قرائن کی طرف اسی وقت محتاج ہوتا ہے جب اس کے سامنے کوئی مضبوط دلائل اور راجح ثبوت پیش نہ کئے جاویں بلکہ بعض اوقات تو قرائن اتنے مضبوط ہوتے ہیں کہ دلیل شرعی کو بھی باطل کر دیتے ہیں مثلاً

---

[1] بخاری ج ۲ ص ۱۶۳ مسلم شرح نووی ج ۲ ص ۱۸

[2] وسائل الاثبات ص ۵۱۸۔

ایک شخص فقیر اور مفلس ہے اس کے پاس اپنے بچوں کی روٹی کے لیے بھی پیسے نہیں ہیں وہ ایک شخص پہ دعویٰ کر دیتا ہے کہ میں نے اس کو دو لاکھ روپیہ قرض دیا ہے اور اس کے ثبوت میں وہ گواہ یا قسم پیش کر دیتا ہے تو اس کا یہ دعویٰ قبول نہ کیا جاوے گا۔ کیونکہ قرض دینے کے لیے تو دولت مند ہونا ضروری ہے تو اس کی حالت اس بات کا قرینہ ہے کہ وہ اپنے دعویٰ میں کاذب ہے۔ لہٰذا دعویٰ خارج کر دیا جاوے گا۔

۲۔ کوئی شخص اپنے دعویٰ میں کسی قریبی رشتہ دار کو گواہ کے طور پر پیش کرتا ہے تو اس گواہی کو رد کر دیا جاوے گا کیونکہ قرابت محبت کی علامت ہے تو اس گواہ پر تہمت آئے گی کہ اس نے محض رشتہ داری اور قرابت کی وجہ سے اپنے قریبی رشتہ دار کے حق میں گواہی دی ہے، اس لیے ایسے دعویٰ کو بھی خارج کر دیا جاوے گا۔ اس کی سماعت نہیں کی جاویگی

تو آپ نے دیکھ لیا کہ ان صورتوں میں دلیل شرعی موجود ہونے کے باوجود قرائن کو ترجیح دی گئی ہے[1]

ان مجبوریوں کی وجہ سے قرائن کے ساتھ فیصلوں کو درست فیصلہ کہا گیا ہے اور اس کو نافذ کرنا عین صواب بتایا گیا ہے۔

قرائن کے ساتھ حدود کا اثبات تمام فقہاء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ قرائن کے ساتھ حقوق مالیہ کا اثبات جائز ہے۔ لیکن حقوق غیر مالیہ میں اختلاف ہے۔

قول اول مالکیہ اور حنابلہ اور بعض امامیہ کا قول یہ ہے کہ حقوق غیر مالیہ یعنی حدود کو قرائن کے ساتھ ثابت کرنا جائز ہے۔

دلیل وَاسْتَدَلُّوا فِي ذٰلِكَ عَلٰى اثر سيدنا عمر وهو ما رواه الجماعة الا النسائي عن ابن عباس قال قال عمر بن الخطاب كان فيما انزل الله آية الرجم

---

[1] وسائل الاثبات ص ۵۱۹۔

فقرأناها وعقلناها ووعيناها ورجم رسول الله صلى الله عليه وسلم ورجمنا بعده فأخشى ان طال بالناس زمانٌ ان يقول قائِلٌ والله ما نجد الرجم فى كتاب الله تعالىٰ فيضل بترك فريضة انزلها الله تعالىٰ والرجم فى كتاب الله حق على من زنا اذا احصن من الرجال والنساء اذا قامت البينة اوكان الحبل او الاعتراف [1]

ترجمہ : جو لوگ قرائن کے ساتھ حدود کے اثبات کے قائل ہیں وہ اپنی دلیل میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قول پیش کرتے ہیں جس کو نسائی کے علاوہ سب محدثین نے نقل فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آیت رجم نازل فرمائی ہے اور ہم نے اسے پڑھا بھی ہے اور سمجھا بھی ہے اور یاد بھی کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سنگسار کیا ہے اور ہم نے بھی آپ کے بعد رجم کیا ہے تو اب مجھے خوف ہے کہ اگر لوگوں پر بہت زمانہ گزر گیا تو کوئی کہنے والا کہے گا کہ اللہ کی قسم ہم تو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں رجم کی سزا کو نہیں پاتے اور وہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ اس فریضہ کو ترک کی وجہ سے گمراہ ہو جائے گا ! خبردار غور سے سن لو رجم (سنگسار) کرنا شادی شدہ زانی مرد اور عورت کو کتاب اللہ میں ثابت ہے جبکہ ان کے اس فعل پر گواہ قائم ہو جائیں یا حمل ثابت ہو جائے یا وہ دونوں جرم کا اعتراف کر لیں ۔

---

[1] بخاری ج ۳ ص ۱۲۱ ابو داؤد ج ۳ ص ۵۷۴ نیل الاوطار ج ۷ ص ۱۱۱ تحفۃ الاحوذی ج ۴ ص ۷۰۰

وجہ دلالت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حمل کو قرینہ تسلیم کیا ہے اور فرمایا ہے کہ غیر شادی شدہ حاملہ بالزنا عورت کو حد زنا جاری کی جاوے اور شادی شدہ حاملہ بالزنا عورت کو سنگسار کیا جاوے۔

تو معلوم ہوا قرائن کے ساتھ حدود کا اثبات جائز ہے۔

دوسری دلیل وقال المالكية والحنابلة باثبات حد الخمر على من وجد منه رائحة الخمر او ثبت عليه انه قاءَ الخمر فان الرائحة قرينة على الشرب وان قيء الخمر دليل على شربها الخ [1]

ترجمہ: مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ جس شخص کے منہ سے شراب کی بدبو آئے یا اس نے قئ کی اور اس سے شراب نکلی تو اس پر حد خمر جاری کی جاوے کیونکہ شراب کی بدبو آنا یا قئ کرنا شراب پینے کی دلیل اور قرینہ ہے۔

تیسری دلیل جس شخص پر چوری کا الزام لگایا گیا اور اس کے بعد اس کے گھر سے مال مسروقہ بھی برآمد ہو گیا تو اس پر بھی حد سرقہ جاری کی جاوے گی۔ کیونکہ مال مسروقہ کا برآمد ہونا چوری کی بہت بڑی دلیل ہے بلکہ علامہ ابن القیم نے فرمایا ہے اِنَّهَا اَقْوٰى مِنَ الْبَيِّنَةِ وَالْاِقْرَارِ [2] کہ مال مسروقہ کا برآمد ہونا تو گواہوں اور اقرار سے بھی اہم قرینہ ہے۔ تو معلوم ہوا حدود کا اثبات قرائن سے جائز ہے۔

دوسرا قول احناف اور شوافع اور بعض حنابلہ کا قول یہ ہے کہ حدود کا اثبات قرائن کے ساتھ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ حدود شبہات کے ساتھ ساقط ہو جاتی ہے۔

دلیل ۱ لما رُوِيَ عن ابن ماجة عن الرسول صلى الله عليه وسلم انه قال لو كنت راجمًا احدًا

---

[1] نیل الاوطار ج ۷ ص ۱۴۶ ؛ نووی ج ۲ ص ۲۱۶

[2] اعلام الموقعین ج ۳ ص ۹ المختصر النافع ص ۳۰۲ وسائل الاثبات ص ۵۲۹۔

بغیر بَیِّنَۃٍ لرجمت فلانۃ" فقد ظہر منہا الرِّیبَۃ فی منطقہا وہیأتہا ومن دخل علیہا [1]

ترجمہ: ابن ماجہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا اگر میں کسی کو بغیر گواہوں کے سنگسار کرتا تو فلانی عورت کو کرتا چونکہ اسکی گفتگو اور حالت اور اس پر داخل ہونے والے شخص میں شک پیدا ہو گیا ہے اس لیے میں رجم نہیں کرتا۔

دلیل ۲ اخرج الترمذی والحاکم والبیہقی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ادرؤوا الحدود عن المسلمین ما استطعتم فان وجدتم لمسلم مخرجًا فخلّوا سَبیلَہٗ فاِنَّ الاِمَامَ ان یُخطِیٔ فی العفو خیر من ان یخطیٔ فی العقوبۃ [2]

ترجمہ: جس قدر ہو سکے مسلمانوں پر حدود جاری کرنے سے بچو اگر کوئی راستہ اس کی رہائی کا نکلتا ہو تو اس کو رہا کر دو کیونکہ حاکم کا معافی میں غلطی کرنا سزا میں غلطی کرنے سے بہتر ہے۔

وجہ دلالت اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ جب تک حدود میں کوئی قوی تر ثبوت نہ ملے محض قرائن و علامات سے حدود نافذ نہیں کرنی چاہئیں۔ بلکہ جہاں تک ممکن ہو اس شخص کو حد سے بچانا چاہیے۔

قرائن کے ساتھ حقوق مالیہ کا اثبات اس سے قبل بتایا جا چکا ہے کہ قرائن کے ساتھ حقوق مالیہ کا اثبات جائز ہے اس پر جمہور فقہاء کا اتفاق ہے۔

---

[1] تحفۃ الاحوذی ج ۴ ص ۶۸۸ المستدرک ج ۴ ص ۳۸۳۔

[2] قواعد الاحکام ج ۲ ص ۱۸۱ بدائع الصنائع ج ۶ ص ۲۵۵ البحر الذخار ج ۳ ص ۲۹۲۔

حقوق مالیہ پھر دو قسم کے ہیں بعض وہ ہیں جن کا تعلق حقوق اللہ کے ساتھ اور بعض وہ ہیں جن کا تعلق حقوق العباد کیساتھ ہے وہ حقوق مالیہ جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے دراصل ان میں بھی انسانوں کا اجتماعی فائدہ مضمر ہے اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت تو محض تکریم اور اہمیت بتانے کیلیے ہے جیسے زکوٰۃ اور صدقات واجبہ وغیرہ۔ وہ حقوق جن کا تعلق حقوق العباد کے ساتھ ہے وہ ہیں نفقۂ زوجہ۔ یا نفقۂ والدین واقارب وغیرہ یا وراثت اور ہبہ وغیرہ۔

اقوال فقہاء کرام اکثر فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب کوئی قوی تر دلیل (یعنی گواہ اور اقرار) موجود نہ ہو تو حقوق مالیہ کا اثبات قرائن کے ساتھ جائز ہے مگر بعض فقہاء بعض صورتوں میں اختلاف کرتے ہیں۔ پہلے ہم آپ کے سامنے وہ مثالیں پیش کرتے ہیں جو متفق علیہ ہیں۔

مثال اوّل دو آدمی ایک سواری پر سوار ہیں دونوں یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ سواری میری ہے اس صورت میں فیصلہ اس شخص کے بارے میں کیا جائے گا جس کے ہاتھ میں لگام ہے کیونکہ اس کا قبضہ زیادہ قوی ہے بنسبت دوسرے شخص کے[1]

مثال دوم ایک چیز دو شخصوں کے ہاتھ میں ہے اور کسی کے پاس گواہ نہیں ہیں۔ تو وہ چیز دونوں کے درمیان نصف نصف تقسیم کی جائے گی۔ کیونکہ اس میں دونوں کا قبضہ ہے اس پر نص شرعی بھی موجود ہے۔

عن ابی موسیٰ رضی اللہ عنہ انّ رجلین اختصما فی دابۃ ولیس لواحد منھما بینۃ فقضیٰ بھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بینھما نصفین[2]

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو شخص ایک جانور کا جھگڑا لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت حاضر ہوئے اور ان کے

---

[1] قواعد الاحکام ج ۲ ص ۱۴۱۔ بدائع الصنائع ج ۶ ص ۲۵۵۔ البحر الذخار ج ۳ ص ۳۹۲

[2] معالم السنن ج ۵ ص ۲۳۱۔

پاس گواہ نہ تھے تو آپ نے وہ جانور دونوں کے درمیان آدھا آدھا تقسیم فرما دیا۔

مثال سوم ایک اونٹ میں اختلاف ہوا اور اس پر سامان بھی لدا ہوا ہے تو سامان والے کے حق میں فیصلہ کیا جاوے گا کیونکہ اس کا قبضہ زیادہ قوی ہے[1]

مثال چہارم رکاز (مدفون خزانہ) ملا اگر اس پر علامات کفر ہیں اور اشاراتِ جاہلیت یعنی کافر بادشاہوں کے نام یا بتوں کی تصاویر وغیرہ ہیں تو اس پر حکمِ رکاز جاری ہوگا یعنی اس میں سے خمس بیت المال میں جمع کیا جاوے گا اور باقی چار حصے پانے والے کو ملیں گے اور اگر اس پر اسلامی علامات ہیں یعنی اس پر آیات قرآنیہ یا خلفاء راشدین یا مسلمانوں کے نام کندہ ہیں تو اس پر لقطہ کا حکم جاری ہوگا کیونکہ ان علامات وقرائن کے اعتبار سے ہم یہی سمجھیں گے کہ یہ مال کسی مسلمان کا ہے جس نے اس کو دفن کیا ہے یا مال گم شدہ ہے[2]

لقطہ کا حکم لقطہ (گری پڑی چیز کے ملنے) کا حکم عند الاحناف یہ ہے کہ لقطہ کا دو سال تک اعلان کیا جاوے اگر اس کا مالک مل جائے تو اس کو دے دیا جاوے ورنہ اگر پانے والا غنی ہے تو وہ بیت المال میں جمع کرایا جاوے یا فقراء پر تقسیم کر دیا جاوے اور اگر پانے والا فقیر ہے تو اپنے تصرف میں لا سکتا ہے[3]

مثال پنجم مَفْقُوْد (گمشدہ شخص) فَالْمَفْقُوْدُ الَّذِيْ غَابَ عَنْ وَطَنِهٖ وانقطع خبرہٗ وجهل حاله فلم يعلم مكانه ولم نعرف حياته ولا وفاته فاذا جاء اولادہٗ وزوجته يطالبون بحقوقهم منه فان القاضى يستند الى موت اقرانه ويجعلها قرينة قاطعة على وفاته فتعتد زوجته وتوزع تركته[4]

---

[1] بدائع الصنائع ج ۶ ص ۲۵۶۔

[2] معین الحکام ص ۱۶۲ الطرق الحکمیہ ص ۲۱۴

[3] معین الحکام ص ۱۶۲ الطرق الحکمیہ

[4] وسائل الاثبات ص ۵۳۵۔

ترجمہ: گمشدہ شخص جو اپنے وطن سے ایسا غائب ہوا کہ اس کی خبر ہی نہ چلے اور نہ ہی اس کی حالت کا علم ہو نہ اس کی جگہ معلوم ہو اور نہ زندہ ہونا اور مرنا معلوم ہو اور قاضی کے پاس اس کے بیوی بچے آئیں اور اپنے حقوق کا مطالبہ کریں تو اس صورت میں تمام فقہاء نے مُتّفقہ فیصلہ یہ کیا ہے کہ قاضی اس کے ہم عمروں کو دیکھے اگر وہ مر چکے ہیں تو اس مفقود کے بارے میں بھی مرنے کا حکم صادر کرے اس عورت کو عدّت کا حکم دے اور اس کا ترکہ تقسیم کر دے۔ لیکن فقہاء کرام کا وقت میں اختلاف ہے۔

فعند ابی حَنِیْفَۃَ ھو وقت انقراض اقرانه جمیعًا وفی قولٍ تسعون سنۃ وقضٰی عمر رضی اللّٰہ عنه بمضی اربع سنواتٍ وھو رأی عثمان ومذھب المالکیّۃ وعند احمد یکفی مُضِیّ المدۃ التی یعیش لمثلھا وقال الربیع تلمیذ الشافعی لاتتزوج امرأته حتی تَتَیقنَ موته[1]

ترجمہ: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول یہ ہے کہ جب اس کے سب ہم عمر ختم ہو جائیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ جب اس کی عمر نوے سال ہو جائے تو اس کی وفات کا فیصلہ کیا جاوے گا لیکن حضرت عمرؓ حضرت عثمان غنیؓ اور مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ جب چار سال گزر جائیں تو اس کے مرنے کا حکم دیا جاوے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس مفقود کی عمر کے لوگ جب مر جائیں یا حاکم اپنے اجتہاد سے مدت قائم کرے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد حضرت ربیع فرماتے ہیں کہ اس کی بیوی شادی اس وقت تک نہ

---

[1] وسائل الاثبات ۵۳۵۔

کیے جب تک مکمل یقین نہ ہو جائے کہ وہ مر چکا ہوگا۔

وجہ دلالت اس صورت میں موتِ اقران (ہم عمروں کا مرنا) کو قرینہ بنایا گیا ہے۔ اور موتِ مفقود کا حکم دیا گیا ہے موجودہ حالات میں مذہب مالکیہ پر فتویٰ دیا جاتا ہے یعنی چار سال گزرنے کے بعد وفات (موت) مفقود کا حکم دے کر اس کی بیوی کو عدت گزارنے کا حکم دیا جاوے اور ترکہ تقسیم کر دیا جاوے۔

مثال ششم اتفق الفقہاء علی ان وجود شخص فی دار المسلمین قرینۃ علیٰ علمہ باحکام الشریعۃ وانہ مؤاخذ بہا فان ادعی الجہل باحکام الشریعۃ فلا یقبل ادعاؤہ او عذرہ الخ[1]

ترجمہ: فقہاء نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ کسی شخص کا اسلامی ممالک میں موجود اور ساکن ہونا قرینہ ہے اس بات کا کہ وہ احکام شریعت سے واقف ہے۔ اگر وہ ان پر عمل نہ کرے تو اس پر مؤاخذہ ہوگا اگر وہ احکام شریعت سے عدم واقفیت کا دعویٰ کرے تو اس کا یہ دعویٰ اور عذر قبول نہیں کیا جائے گا۔ جدید قوانین میں بھی اسی پر عمل ہے عدالتیں قانون سے عدم واقفیت کے عذر کو قبول نہیں کرتیں۔ اگر کوئی شخص ملکی قانون کی خلاف ورزی کرے اور یوں کہے کہ مجھے علم نہیں تھا تب بھی اس کو مجرم قرار دے دیا جاتا ہے اس لیے کہ اگر عدم واقفیت کے عذر کو تسلیم کر لیا جاوے تو پھر ہر مجرم یہی عذر پیش کر کے بری ہو جائے گا۔

مثال ہفتم واذا وجد میت فی دار الاسلام یغسل ویکفن ویصلی علیہ ویدفن فی مقابر المسلمین الخ

ترجمہ: جب کوئی لاوارث میّت دار الاسلام میں ملے تو اسے غسل اور کفن دیا جائے گا اور نماز جنازہ پڑھ کر مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائیگا۔

---

[1] قواعد الاحکام ج ۲ ص ۵۰

ہاں اگر اس کے گلے میں زُنّار ہو یا وہ غیر مختون (ناختنہ شدہ) ہو تو اس پر کفر کا حکم لگایا جائے گا اور نماز جنازہ بھی نہیں پڑھی جائے گی اور مسلمانوں کے قبرستان میں بھی دفن نہیں کیا جائے گا[1]

مثال ہشتم ایک دیوار میں دو شخصوں کا جھگڑا ہوا اور کسی کے پاس گواہ بھی نہیں ہیں تو جس کی عمارت اس دیوار سے متصل ہے یا کڑیاں اور شاہتیر اس پر رکھے ہوئے ہیں تو اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا کیونکہ عرف عام میں یہی رواج ہے اور اگر دونوں کی عمارت متصل ہے یا کڑیاں وغیرہ رکھے ہوئے ہیں تو پھر دونوں کے درمیان نصف نصف کی جائے گی۔ بہرحال جیسے وہاں کے لوگوں میں عادت ہے عرف عام کی وجہ سے اسی طرح حکم ہوگا۔ لان المعروف عرفاً کالمشروط شرطاً۔ کیونکہ جو عرفاً مشہور ہے وہ مشروط کے قائم مقام ہوتا ہے۔

مثال نہم مشتری کسی سامان کا بھاؤ طے کرتا ہے یا کوئی شخص دوسرے شخص کے ساتھ زمین مزارعت پر حاصل کرتا ہے لیکن بعد میں وہ شخص اس سامان یا زمین کی ملکیت کا دعویٰ کرتا ہے تو یہ دعویٰ قبول نہ کیا جاوے گا۔ کیونکہ بھاؤ طے کرنا اور مزارعت قرینہ ہے غیر کی ملکیت کا۔ کیونکہ اگر وہ مالک ہوتا تو شروع ہی سے ملکیت کا دعویٰ کرتا سودے بازی اور مزارعت کیوں کرتا۔

مثال دہم ایک شخص اپنا سامان بیچنے کے لیے کسی کو وکیل بناتا ہے تو وکیل کو اس کی قیمت قبض کرنے کا بھی اختیار حاصل ہوگا کیونکہ عرفاً قیمت وصول کرنا بھی اسی کے ذمہ ہوتا ہے جو سامان بیچتا ہے۔ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ[2]

قرائن مختلف فیہ کی مثالیں

اب ہم آپ کے سامنے قرائن کی چند ایسی مثالیں تحریر کرتے ہیں جن میں ائمۂ کرام

---

[1] قواعد الاحکام ج ۲ ص ۵۰۔

[2] وسائل الاثبات ص ۵۳۶۔

کا اختلاف ہے۔

مثال اوّل قال الحنفیۃ بوجوب کامل المہر بالخلوۃ فاذا خلا الرجل بامراتہ وارخی الستر ثم طلق یحکم علیہ بالصداق وان کان منکرًا للوطی الخ[1]

ترجمہ: احناف کے نزدیک جب مرد اپنی بیوی سے خلوت کرے اور پردہ ڈال دے پھر اس کو طلاق دے دے تو اس پر مکمل حق مہر کا فیصلہ کیا جاوے گا۔ اگرچہ وہ وطی سے انکاری ہو کیونکہ شبِ عروس میں مرد کو خلوت ملے اور وہ بیوی سے اتصال نہ کرے یہ عرف اور عادت کے خلاف ہے۔ اس مسئلے میں مالکیہ بھی احناف کے مطابق فیصلہ دیتے ہیں۔ بقیہ ائمہؒ کا اس میں اختلاف ہے وہ کہتے ہیں جب تک وطی نہ کرے حق مہر واجب نہیں ہوتا۔

مثال دوم بَیع بالتَّعَاطِی (یعنی۔ بالفعل عقد کرنا) اس کی صُورت یہ ہے کہ ایک شخص قیمت دے دیتا ہے اور دوسرا سامان دے دیتا ہے لیکن زبان سے ایجاب وقبول نہیں کرتے تو یہ بیع منعقد ہو جائے گی۔ کیونکہ مشتری کا مقررہ قیمت دے دینا اور بائِع (دوکاندار) کا سامان سپرد کر دینا ایجاب وقبول کے قائم مقام ہے اور رضا کی علامت ہے اس میں مالکیہ اور حنابلہ صحت معاملہ کے قائل ہیں لیکن احناف کہتے ہیں اگر مال قلیل اور حقیر (ادنیٰ) ہے تو بیع منعقد ہو جائے گی اور اگر مال کثیر یا مہنگا ہے تو بیع منعقد نہ ہوگی۔ بلکہ زبان کے ساتھ ایجاب وقبول ضروری ہوگا۔

اور شوافع اور شیعہ بیع بالتعاطی کے عدم جواز کے قائل ہیں[2]

مثال سوم ایک شخص خاموشی کے ساتھ اپنا مال یا کوئی چیز دوسرے کے پاس رکھ دیتا ہے اور دوسرا بھی منع نہیں کرتا اور خاموشی کے ساتھ اپنے پاس رکھ

---

[1] تبصرۃ الحکام ج ۱ ص ۲۱۱ درر الحکام ج ۱ ص ۲۴۲ وسائل الاثبات ص ۵۲۸۔

[2] المجموع النووی ج ۹ ص ۱۶۲

لیتا ہے تو یہ ودیعت (امانت) کی صورت بن جائے گی وہ چیز دوسرے پاس امانت سمجھی جائے گی اگرچہ زبان کے ساتھ انہوں نے امانت کے الفاظ نہیں کہے کیونکہ سکوت رضا کا قرینہ ہوتا ہے۔ اب اگر وہ چیز از خود ضائع ہوگئی تو اس پر تاوان نہیں آئے گا یہ احناف کا مسلک ہے دوسرے ائمہ کہتے ہیں کہ تاوان آئے گا[1]

مثال چہارم وقال الحنفيّة إنّ قبض الهبة والصدقة بحضرة المالك مع السكوت يعتبر اذناً بالقبض كما أنّ سكوت البكر او ضحكها قرينة على الرضاء[2]

ترجمہ: احناف کہتے ہیں کہ مالک کی موجودگی میں صدقہ یا ہبہ کا قبول کرنا مالک کی طرف سے اجازت تصور ہوگا جیسے کہ کنواری لڑکی کا خاموش ہونا یا ہنسنا رضا کا قرینہ ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ چیز جس کو صدقہ دی گئی وہ مالک بن جائے گا۔

مثال پنجم وقبول التّهنئة فى ولادة المولود ايام التّهنئة قرينة على ثبوت النّسب[3]

بچے کی ولادت پر مبارکبادی قبول کرنا ثبوت نسب کا قرینہ ہے یعنی وہ بچہ اسی کا تصور ہوگا۔ بعد میں اگر وہ انکار کرتا ہے تو وہ انکار قابل قبول نہ ہوگا۔

مثال ششم وعملوا بالقرائن فى السّفينة المحملة بالدقيق اذا تنازع فيها ملاح وتاجر دقيق فالسّفينة للملاح والدقيق للتاجر[4]

---

[1] المدخل الفقہی ج ۱ ص ۳۲۲ ؛ وسائل ۵۳۸

[2] ردالمحتار ج ۵ ص ۵۶۵

[3] ایضاً

[4] ایضاً

ترجمہ: ایک کشتی آٹے سے لدی ہوئی ہے اس میں ملاح اور تاجر کا تنازع ہوا تو کشتی کا فیصلہ ملاح کے حق میں کیا جاوے گا اور آٹے کا فیصلہ تاجر کے حق میں کیونکہ قرائن کا تقاضہ یہی ہے کہ کشتی ملاح کی ہوگی اور آٹا تاجر کا یہ چند مثالیں ہم نے آپ کے سامنے پیش کی ہیں جن سے معلوم ہوا کہ قرائن پر عمل کرنا جائز ہے اور تمام ائمہ کرام کا اتفاق ہے کہ قرائن حجت ہیں اور قرائن کے ساتھ اثبات حق مشروع ہے۔

موجودہ دور آج کے دور میں سائنس اور ٹیکنالوجی نے جس قدر ترقی کی ہے اس سے قرائن میں بہت سی چیزوں کا اضافہ ہو چکا ہے۔ پوسٹ مارٹم۔ ہاتھ کے نشانات۔ تحریر کی شناخت فوٹو سٹیٹ کیمیکل ایگزامینیشن۔ فارنیسرک جانچ پڑتال کیمرے ٹیلی سکوپ۔ ایکس رے اور کئی دوسری چیزیں اثبات یا ردِ دعویٰ میں مؤثر کردار ادا کرتی ہیں۔

خلاصہ بہر حال ثبوت دعویٰ کا یہ طریق کبھی تو نامکمل اور ناقابل یقین ہوتا ہے اور کبھی مکمل اور پورا ذریعہ ثبوت ہوتا ہے لہذا اس پر انحصار کرنے میں مکمل احتیاط لازمی ہے۔